R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone--29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12 P

جلد ۲۵۔ شمارہ ۳۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ اکتوبر ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

ہندستانی یونیورسٹیوں کیلیے اردو کا معیاری نصاب

طلبہ جب یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں تو ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ثانوی تعلیم کی منزل پر کسی زبان کی اتنی تعلیم حاصل کر چکے ہوں گے کہ انھیں زبان پر کچھ قدرت اور ادب سے کچھ واقفیت ہو گی اور ان کے پاس معلومات اور تاثرات کا جو سرمایہ ہو گا وہ اتنا ہو گا کہ وہ سیدھی سادی اور صحیح زبان میں اظہار خیال کر سکیں گے مگر ہمارے ملک میں چونکہ ثانوی تعلیم کی کڑی سب سے کمزور ہے اس لیے اکثر یونیورسٹیوں میں جو طلبہ اردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھتے ہیں وہ نہ زبان پر قدرت رکھتے ہیں، نہ ادب سے واقفیت۔ انھیں نہ صحیح زبان لکھنی آتی ہے اور نہ ان کے پاس سنجیدہ خیالات کا کوئی سرمایہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر انھیں کوئی اور زبان بھی نہیں آتی اس لیے وہ اس ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہوتے ہیں جس میں کتنا ہی پانی بھرا جائے برتن خالی رہتا ہے۔

اس لیے بی۔ اے کی منزل پر یوں بھی اردو ادب پڑھانے والے کے لیے بڑی مشکل ہے۔ ان سے صرف ادب پڑھانا نہیں ہوتا زبان بھی پڑھانی ہوتی ہے۔ اردو ادب کا مضمون دلچسپی کی وجہ سے یا اس کی قدر و قیمت کی وجہ سے یا فطری مناسبت کی وجہ سے نہیں بلکہ آسان مضمون سمجھ کر انتخاب کیا جاتا ہے اور چونکہ مختلف وجوہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، طلبہ کو پاس ہونے کے لیے نمبر مل جاتے ہیں اس لیے ان میں مضمون کے لیے ریاض کرنے کی لگن پیدا نہیں ہوتی۔ اس صورت حال کی اصلاح آسان نہیں مگر ایسا بھی نہیں کہ یہ لاعلاج مرض کی طرح ہو۔ لیکن اول تو اصلاح کی کوئی کوشش اور معیاروں کے تعین اور ان پر اصرار کی کوئی نمایاں مثال سامنے نہیں آتی۔ دوسرے نصاب کی ترتیب ایسی رواداری میں اور اتنی بے پروائی سے کی جاتی ہے کہ ان طلبہ کو بھی جو کچھ مل سکتا ہے وہ نہیں ملتا۔ یہاں ایک حقیر سی کوشش اس امر کی گئی ہے کہ پہلے بی۔ اے میں اردو ادب کے ایک اختیاری مضمون کو پڑھانے کے مقاصد بیان کیے جائیں اور پھر ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے نصاب کا ایک خاکہ پیش کیا جائے بی۔ اے میں اردو کو ایک زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا مسئلہ الگ اہمیت رکھتا ہے اس لیے اس کی طرف یہاں اشارہ ضروری نہیں۔ کم یونیورسٹیوں میں اردو زبان کے پڑھانے کا سوال اٹھتا ہے۔ زیادہ تر ادب کی تعلیم کا سوال ہے، اس لیے اسی کو یہاں لیا گیا ہے۔

بی۔ اے میں ادب پڑھانے کے لیے دو یا تین سال ملتے ہیں اور چونکہ اغلب یہ ہے کہ اب ساری یونیورسٹیوں میں تین سال ڈگری کے لیے ضروری ہو جائیں گے۔ اس لیے تین سال کو ذہن میں رکھ کر چند بنیادی باتیں کہی گئی ہیں۔ اب تک عام طور پر برابر کے تین اختیاری مضمون لیے جاتے ہیں اور اگرچہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ایک مضمون میں امتیاز حاصل کیا جائے اور دو یا تین ضمنی مضمون لیے جائیں لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ اس اصول کو عام طور پر نافذ کرنے میں خاصا وقت لگے گا۔ اس لیے بات حقیقت اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر کرنی ہو گی کہ اردو ادب کا مضمون تین سال کے کورس کا ایک جزو ہے اور چونکہ تین میں سے ایک مضمون ہے، اس لیے طلبہ اس پر زیادہ سے زیادہ پوری مدت کا ایک تہائی وقت صرف کر سکتے ہیں۔ اگر تعلیمی سال کے کم سے کم یعنی ۱۸۰ دن فرض کیے جائیں تو ۵۴۰ دن تین سال میں ملتے ہیں۔ یہ چند مہینے کا وقت تین سال پر پھیلا دیا جاتا ہے۔

بی۔ اے کے پہلے سال میں عمر کا اوسط ۱۷ سال فرض کرنے میں کوئی قباحت نہ ہو گی یعنی بچہ اب نوعمری کی منزل میں ہے یعنی نصاب مرتب کرتے وقت اس عمر کی نفسیات کو بھی ذہن میں رکھنا پڑے گا۔ اگر امتحان کا طریقہ موجودہ میکانکی اور بے روح طریقے سے مختلف ہوتا تو ہم ایک آئیڈیل نصاب آسانی سے بنا سکتے تھے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ امتحان کے موجودہ طریقے نے بڑی حد تک درس کے طریقے کی بھی حد بندی کر دی ہے یعنی چونکہ امتحان سال کے آخر میں ہوتا ہے اور تحریری جوابات کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو تین گھنٹے میں لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے نصاب اسی نہج پر بنانا ہو گا۔ میرا بس چلے تو موجودہ امتحان کے طریقے کو سرے سے ختم کر دوں۔ مجھے اس میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ ہاں اس کی خرابیاں اتنی ہیں کہ گنانے بیٹھوں تو گن نہ سکوں۔ لیکن چونکہ درس کا طریقہ تو بدلا بھی جا سکتا ہے مگر موجودہ حالات میں امتحان کے سلسلے میں کسی انقلابی تبدیلی کے لیے ملک تیار نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ اپنے اساتذہ پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ بدقسمتی سے اساتذہ کو بھی اس بات کا موقع نہیں ملا کہ وہ اس کا ثبوت دے سکیں۔

اس لیے ہمیں یہاں بھی اپنے آئیڈیل سے کچھ نیچے اترنا پڑے گا اور اس پر اصرار کرکے کہ تحریری باقاعدہ کام کے لیے کچھ نمبر امتحان کے علاوہ رکھے جائیں جو کم سے کم پورے نمبروں کے تہائی ہوں۔ نصاب کی اس طرح تشکیل کرنی ہوگی۔

تین سال کے کورس میں چار پرچے ہوں گے۔ پرچوں کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

پہلا سال۔ ہم عصر ادب نثر و نظم۔

نثر میں انشائیے، قلمی مرقعے، افسانوی یا تاریخی یا تہذیبی عنوانات اور فنون لطیفہ کی خصوصیات پر اچھی نثر کے نمونے تفصیلی مطالعہ کے لیے اور ناول یا سوانح عمری کا کوئی ایسا باب جو بجائے خود مکمل تصویر پیش کرتا ہو صفحات کی تعداد ۲۰۰۔

کوئی افسانہ یا ڈرامہ یا افسانہ ذیلی مطالعہ کے لیے صفحات کی تعداد ۱۰۰

نظم میں ہم عصر شعرا کی نمائندہ نظمیں جن میں بے قافیہ اور آزاد نظم بھی شامل ہو ۔۔۔ صفحے۔ غزلوں میں حسرت سے لے کر فراق تک کی پانچ پانچ غزلیں۔ ۵۰ صفحے۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۱۵۰۔

مسدس اور مثنوی دونوں اصناف کے نمونے بھی نظموں میں شامل ہوں۔

ذیلی مطالعہ کے لیے:۔

چند بڑی نظمیں مثلاً خضر راہ، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ (اقبال)

روز بروز یہ میرا خیال ہوتا جاتا ہے کہ بی۔ اے کی منزل پر ادب کا تاریخی مطالعہ غلط ہوگا۔ اس مطالعہ کو اس نکتہ کی روشنی میں متعین کرنا ہوگا کہ ہم عصر ادب سے دلچسپی فطری ہے، وہ اس فطری دلچسپی سے کام لے کر کلاسیکی ادب کا مطالعہ نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے سال میں یا تو نظم اور نثر کے الگ الگ پرچے رکھے جا سکتے ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہر پرچے میں نظم و نثر دونوں رکھی جائیں یہ سہولت کی بات ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ بی۔ اے میں کلاسیکی ادب کا مطالعہ ولی سے اور کلاسیکی نثر کا مطالعہ میر امن سے شروع ہونا چاہیے۔

حسب ذیل غزل گو شعرا کی کم سے کم دس دس غزلیں پڑھانی چاہئیں۔

ولی، میر، مصحفی، آتش، غالب، مومن، داغ، حسرت۔

حسب ذیل شعرا کی نمائندہ نظمیں پڑھانی چاہئیں۔

سودا کے کم سے کم تین قصیدے

سحر البیان یا گلزار نسیم میں سے کوئی ایک مثنوی پوری۔

نظیر کی پانچ نمائندہ نظمیں۔

حالی کی مثنوی حب وطن اور غالب یا حکیم محمود خاں کا مرثیہ۔

چکبست کی خاک ہند، گوکھلے کا مرثیہ۔ رامائن کا ایک سین۔

اکبر کے قطعات و رباعیات و فردیات کا انتخاب۔

اقبال کی حسب ذیل نظموں میں دو نظمیں:۔

والدہ مرحومہ کی یاد میں، خضر راہ، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ۔

تعداد صفحات ۲۵۔

نثر کے پرچہ کے لیے میری سفارش یہ ہے

میر امن۔ کسی ایک درویش کی سیر

غالب کے کم سے کم دس خط۔

سرسید کے مضامین میں امید کی خوشی اور گزرا ہوا زمانہ کے قبیل کے دو مضمون اور بحث و تکرار، مقاصد تہذیب الاخلاق اور رسم و رواج کے نقصانات کے قبیل کے تین مضمون۔

حالی۔ یادگار غالب سوانح کا کوئی حصہ۔

نذیر احمد۔ ابن الوقت یا توبۃ النصوح کا کوئی باب۔

آزاد۔ آب حیات کا کوئی حصہ۔ شبلی۔ شعر العجم کا کوئی حصہ

سرشار۔ فسانۂ آزاد کا کوئی باب۔ رسوا۔ امراؤ جان ادا کا کوئی باب۔

عبد الحق۔ چند ہم عصر۔

ذیلی مطالعہ کے لیے:۔

فرحت اللہ بیگ۔ نذیر احمد کی کہانی۔

پریم چند کے تین افسانے۔

حبیب کا کوئی ڈرامہ مثلاً آزمائش تعداد صفحات ۳۰۰

چوتھے پرچے کے دو حصے ہونے چاہئیں، پہلے حصہ میں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ اور ایک چھوٹا سا مضمون لکھوایا جائے جس سے طالب علم کی کسی عام دلچسپی کے مسئلے پر اظہار خیال کی صلاحیت کا علم ہو۔ دوسرے حصے میں ادب سے روشناس کرانے کے لیے گلستان سعدی کا ایک باب۔ اور حافظ کی غزلوں اور خیام کی رباعیات کے کچھ نمونے ہوں۔

یہ نصاب ممکن ہے کچھ لوگوں کو بھاری معلوم ہو۔ اگر غور کیا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ اس کو تمام تر کلاسوں میں پڑھانا ضروری نہ ہوگا لیکن طلبہ سے تمام کتابوں کے مطالعے کی توقع ہوگی اور ان پر ان سے مختصر مضامین تعلیمی سال کے دوران میں لکھوائے جائیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ایمانداری سے اس نصاب کے مطابق تعلیم ہو تو بی۔ اے کی منزل میں ہم طلبہ میں اردو ادب کا اچھا خاصا ذوق پیدا کر سکتے ہیں۔ امتحان کے سوالوں میں ظاہر ہے مجموعی سوالات کے بجائے نصاب کے اجزا پر مختصر تبصرے لکھوائے جائیں گے جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ انھوں نے تمام چیزیں پڑھی ہیں یا نہیں۔

ایم اے کی منزل پر ہمیں زیادہ آزادی ہے اور اس لیے بھی یہاں زیادہ انقلابی تبدیلی کرنی ہوگی۔ سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ ہمیں اعلیٰ اور بلند معیار کی ضرورت ہے جس کے لیے کسی قسم کا مفاہمہ گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اس بلند معیار کی وجہ سے طلبہ کی تعداد اور کم ہو جائے تو اس پر ماتم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ گئے گزرے اور حق بخشوائے ہوئے طلبہ کی ایک فوج کے مقابلے میں چند باخبر اور صاحب استعداد طلبہ ہی آگے چل کر اردو ادب میں تحقیق یا اردو ادب کی تدریس کا فرض کما حقہٗ ادا کر سکتے ہیں یا ادب و صحافت کی دنیا میں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ ایم اے کے نصاب کے تعین میں حسب ذیل اصول ملحوظ رکھنے ہوں گے:۔

طلبہ زبان کی لسانی اور صوتی خصوصیات۔ اس کی قواعد اس کے دوسری زبانوں سے رشتے سے آگاہ ہوں گے یعنی انھیں لسانیات کی مدد سے اپنی زبان کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کے لیے لسانیات کے مبادیات کا علم لازمی ہوگا۔ انھیں ادب کی تاریخ، اس کے اصناف کے ارتقا اور ادب کے شاہکاروں کا خاصا گہرا علم ہوگا، وہ اس سماجی اور تہذیبی پس منظر سے واقف ہوں گے جس میں اردو ادب نے جنم لیا ہے اور پروان چڑھا ہے۔ وہ ان فکری میلانات پر نظر رکھتے ہوں گے جو اس کے محرک سمجھے جا سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

طاہر رضوی برقؔ داناپوری

کچھ اکبر کے متعلق

"ہماری زبان" مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۶ء کے صفحہ ۳ پر جناب نادم سیتاپوری کا ایک مضمون بعنوان "بزم اکبر۔ ایک تنقیدی جائزہ" نظر سے گزرا تھا مجھے اس مضمون میں چند باتیں قطعی غلط اور محل نظر معلوم ہوئیں، میں اسی وقت سے اس سلسلے میں کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر چند در چند مشاغل اور پریشانیاں حائل رہیں اگرچہ اس کا احساس برابر رہا جس نے آخر آج اظہار خیال پر مجبور کیا۔

جناب نادم سیتاپوری لکھتے ہیں "..... ملا واحدی دہلوی کی مرتبہ حیات اکبر کا نام بھی سننے میں آیا جو بزم اکبر کراچی (پاکستان) نے شائع کی ہے لیکن اس کے مطالعہ سے تاحال محروم ہوں۔"

مطالعے کی اسی محرومی نے نادم سیتاپوری سے چند ایسی باتیں لکھوا دیں جو میری اس تحریر کا سبب بنیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر موصوف ملا واحدی کی مرتبہ حیات اکبر (جو اکبر الہ آبادی کے صاحبزادے سید عشرت حسین کی تصنیف ہے) کا مطالعہ کر لیتے تو ان کا یہ مضمون سرے سے بدلا ہوا ہوتا یا شاید صفحۂ قرطاس پر آتا ہی نہیں۔

مولوی قمر الدین احمد بدایونی نے بارہ کو بارہہ سمجھ کر اکبر کا سلسلہ سید حسین علی اور سید عبداللہ بادشاہ گر سے جا ملایا یہ ایک غلط فہمی تھی اور بے شک تھی مگر اب تو بارہ یا بارہہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اکبر الہ آبادی کا مولد اور وطن قصبہ داؤد نگر ضلع گیا (بہار) ایک طویل بحث و مذاکرے کے بعد ثابت اور تسلیم ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو جناب منظور احمد صاحب الہ آبادی کا مضمون مطبوعہ پندرہ روزہ "قومی زبان" کراچی مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۳۵ اور اس کا مدلل و مسکت جواب بعنوان "اکبر الہ آبادی کے وطن کا تعین" از سید شاہ محمد قاسم رضوی قتیل سجادہ نشین داناپور مطبوعہ "قومی زبان" کراچی مورخہ ۱۶ ستمبر صفحہ ۱۰، ۱۱۔ اس بحث کی تفصیلی رپورٹ اور برادر زادہ حضرت اکبر الہ آبادی جناب سید محمد عباس کا گرامی نامہ بنام جناب ملا واحدی بعنوان "اکبر الہ آبادی کا آبائی وطن" "حیات اکبر" کے صفحات ۴۹ تا ۵۵ اور صفحہ ۳۴۲ پر علی الترتیب چھپ چکا ہے۔ سید محمد عباس کے خط کی نقل بیان پر شاید بیجا نہ ہو۔

"الہ آباد۔ رضوی منزل۔ دوندی پور۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء

مکرمی وعلیکم السلام

عنایت نامہ مورخہ یکم ستمبر باعث افتخار ہوا۔ خرابی صحت باعث تاخیر جواب ہے۔ حضرت اکبر میرے والد کے حقیقی بھائی تھے۔ ہمارے اجداد میں سید علی عرب مع اپنے فرزند سید زید اور بھائی سید اسماعیل، مقام نیشاپور ملک خراسان سے ۶۳۲ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور داؤد نگر صوبہ بہار میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی اولاد کی قرابت سادات بلگرام یو۔پی سے ہوئی۔ میرے پردادا یعنی حضرت اکبر کے دادا مولوی سید فضل محمد صاحب بڑے عالم تھے۔ بزمانہ نواب آصف الدولہ لکھنؤ تشریف لائے کچھ مدت بعد آپ نے سرکاری ملازمت بعہدۂ نظامت کانپور میں کر لی۔ بعدہٗ ان کا خاندان یو۔پی کے شہر الہ آباد میں آباد ہو گیا۔

خادم سید محمد عباس عفی عنہٗ برادر زادۂ اکبر"

(حیات اکبر صفحہ ۳۴۲)

سید عشرت حسین صاحبزادۂ اکبر الہ آبادی رقمطراز ہیں:۔

"خان بہادر میر محمد زماں صاحب حضرت قبلہ (اکبر الہ آبادی) کے پردادا کا نام تھا۔۔۔۔۔ میر محمد زماں صاحب سادات مجہدی ضلع سیتاپور میں سے تھے۔ شیعہ یا سنی اس میں اختلاف ہے البتہ سید فضل محمد صاحب ان کے بیٹے قطعی شیعہ تھے۔

میر محمد زماں صاحب کے دو بیٹے تھے۔ سید فضل محمد صاحب اور سید فضل الدین احمد صاحب۔ سید فضل محمد صاحب کے بیٹے سید تفضل حسین صاحب اور سید تفضل حسین صاحب کے بیٹے سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی۔"[1]

جناب نادم سیتاپوری اکبر کے وطن کے لئے "بارہ" کو صحیح سمجھتے ہوئے "بارہہ" کے متعلق اپنے متذکرہ مضمون میں نوٹ دیتے ہیں کہ بارہہ "زیدی سادات کی ان بارہ بستیوں کا نام ہے جو ضلع مظفر نگر (یو۔پی) میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان کا نسبی تعلق انہیں بادشاہ گر سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں سے ہے جن کا مولانا بدایونی نے ذکر کیا ہے۔"[2]

اکبر کے برادر زادہ حقیقی سید محمد عباس صاحب مسطورہ بالا خط میں اپنے اجداد میں سید علی عرب کا نام لیتے ہیں جو اپنے فرزند سید زید اور بھائی سید اسمٰعیل کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ کیا عجب بارہہ کے زیدی سادات اور سید زید میں بھی کوئی تعلق ہو۔

بہرکیف بارہ اور بارہہ پر اظہار خیال فرمانے کے بعد نادم صاحب فرماتے ہیں:۔

"ناموں کی یکسانیت سے اس قسم کے مغالطے کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں۔ اور ڈاکٹر اعظم کریوی تو ایسی ہی ایک عظیم غلط فہمی کا شکار قرار دیتے ہیں۔ مجھے دراصل اسی عظیم غلط فہمی پر روشنی ڈالنی ہے جس کا شکار وہ ڈاکٹر اعظم کریوی کو بتاتے ہیں مگر مبتلا خود ہیں۔

ڈاکٹر اعظم کریوی نے اپنے مضمون "حضرت اکبر الہ آبادی" مطبوعہ مخزن لاہور دسمبر ۱۹۲۶ء میں بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی یہ بات لکھی تھی کہ:

"حضرت اکبر کے والد سید تفضل حسین رضوی صوفی ابو العلائی جن کو حضرت مولانا شاہ محمد قاسم داناپوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا متبحر جید عالم تھے ۔۔۔۔۔۔"

یہیں پر نادم صاحب کو مغالطہ ہوا ہے اور انھوں نے اپنے اس "عظیم مغالطے" کی تائید میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کی بالکل صحیح اور واضح تحریر کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔ نادم سیتاپوری ڈاکٹر کریوی کی عبارت کو بجائے اکبر الہ آبادی کے شاہ محمد اکبر داناپوری سے متعلق کرنا چاہتے ہیں جو شاہ محمد قاسم صاحب ابو العلائی داناپوری کے حقیقی بھتیجے اور شاہ محمد سجاد صاحب

---

[1] حیات اکبر مرتبہ ملا واحدی ص ۳۴

[2] ہماری زبان یکم مارچ ۶۶ء ص ۳

دانا پوری کے صاحبزادے تھے، جناب ناؔدم سیتاپوری صاحب کی تشفی کے لیے میں ڈاکٹر اعظم کریوی کی تائید میں چند دلیلیں اور ثبوت پیش کر دوں اور واضح کر دوں کہ صرف حضرت اکبر الہ آبادی کے والد سید تفضل حسین ہی نہیں بلکہ خود حضرت اکبر الہ آبادی بھی شاہ قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور اس خاندان کے موروثی معتقد تھے۔

حضرت الحاج سید شاہ عطا حسین ابوالعلائی صاحب سجادہ خانقاہ منعمیہ گیا نے ۱۲۷۲ھ میں ایک کتاب "کیفیت العارفین" لکھی ہے جس میں حضرت اکبر الہ آبادی کے والد سید تفضل حسین ابوالعلائی اور آپ کے چچیرے بھائی سید حسین علی ابوالعلائی ابن سید فضل الدین احمد صاحب کے حالات بھی زمرۂ مریدان و خلفاء حضرت سید الطریقت سید شاہ ابوالعلائی دانا پوری میں درج کیے ہیں چنانچہ اس کتاب مطبوعہ کی طویل فہرست مضامین میں شروع کتاب پر بھی ان حضرات کے نام ان الفاظ میں درج ہیں:

"ذکر سید حسین علی داؤد نگری بر صفحہ ۲۸۰

ذکر سید تفضل حسین داؤد نگری بر صفحہ ۲۸۰"

اور صفحہ ۲۸۰ کی عبارت یوں ہے:

"ذکر مسترشدان و مریدان حضرت سید الطریقت منشی سید محمد قاسم صاحب ادام اللہ عرفانہ مشتمل بر شش ذکر است۔ ذکر دوم منشی ولی سید حسین علی صاحب زاد مجدہٗ و ذوقہٗ و شوقہٗ ابن منشی سید فضل الدین احمد متوطن قصبۂ داؤد نگر از عرصۂ چند سال بسبب روزگار در شہر الہ آباد سکونت دارند۔ در آں شہر از حضرت سید الطریقت از توجہ و تعلیم مراقبہ فیض باطنی یافت معمور الکیفیت صاحب النسبت اند و استعداد باطنیہ شاں نو دارند در حیثیت ظاہر ہم معتنم مستعدند خلیق بسیار اند و طبع حلیم دارند بالفعل بعہدۂ محافظ دفتری کچہری شہر الہ آباد اند۔ اللہ تعالے در ذوق دارد۔

ذکر سوم سید تفضل حسین زاد اللہ ذوقہٗ و شوقہٗ برادر زادۂ میر فضل الدین احمد متوطن داؤد نگر ایشان نیز مرید و مسترشد حضرت سید الطریقت ہستند۔"[1]

مولانا عبدالماجد دریابادی کے تحریر چھپنے سے قبل سے جناب ناؔدم سیتاپوری کو اتنا تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ صوبہ بہار میں ایک اور صاحب شاہ محمد اکبر دانا پوری اکبر الہ آبادی کے ہمعصر اور ہم استاد یعنی مولانا وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے اور بچپن سے ان کا قیام بھی الہ آباد ہی میں ہو گیا تھا۔ اتنا ہی نہیں کہ اکبر الہ آبادی اور شاہ اکبر دانا پوری صرف ہمعصر و ہم استاد تھے بلکہ ہم مکتب، ہم درس، ہم مشق اور ہم پیر بھی تھے۔

واضح ہو کہ حضرت شاہ محمد اکبر دانا پوری جناب حضرت سید الطریقت سید شاہ محمد قاسم ابوالعلائی دانا پوری کے حقیقی بھتیجے، مرید و خلیفہ ہیں۔ حضرت شاہ محمد اکبر دانا پوری اور حضرت سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی دونوں حضرات شاہ محمد قاسم ابوالعلائی دانا پوری کے مرید ہیں اور دونوں کا آپس میں بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ حضرت شاہ محمد اکبر دانا پوری نے حضرت اکبر الہ آبادی کا حال محض ہم مسلک اور ابوالعلائی ہونے کی وجہ اپنی کتاب "نذر محبوب" میں بحیثیت ابوالعلائیان معاصر کے تحریر فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ اکبر صاحب سے کسی نے حضرت اکبر الہ آبادی کے عقائد کے متعلق کچھ شکوک خیال کا اظہار کیا، پیر بھائی ہونے کی وجہ سے و نیز قدیم تعلقات کی بنا پر آپ کو اس کا خیال ہوا چنانچہ آپ نے ایک والا نامہ حضرت اکبر الہ آبادی کو کسی موقع سے لکھا جس کا جواب حضرت اکبر الہ آبادی نے علی گڑھ سے دیا تھا۔ حضرت اکبر دانا پوری نے اپنی تصنیف "نذر محبوب" میں حضرت اکبر الہ آبادی کے ذکر میں اس خط کو بھی چھاپ دیا ہے جس سے حضرت اکبر الہ آبادی کے مسلک و عقائد پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ "نذر محبوب" کی عبارت جس کو چھپے ہوئے تقریباً پچاس برس ہوئے، ذیل میں درج کرتا ہوں، ملاحظہ ہو۔

"بجناب برادر بیگان برابر گرامی شان سید اکبر حسین صدر الصدور غازی پور رحمہ اللہ تعالیٰ ادام اللہ متاعہم آپ کی ذات میں بفضلہ سیادت و حکومت دونوں اضافتیں جمع ہیں، زمانہ طفولیت ہی میں برادر موصوف نے ہمارے حضرت پیر و مرشد برحق قدس سرہ سے بیعت کی تھی، الحمد للہ کہ اس کا اثر پورا پورا اس وقت تک باقی ہے اور باوجودیکہ زمانہ دراز تک برادر موصوف سید احمد خان صاحب کے جلسوں میں شریک رہے مگر اعتقادات میں فرق نہ آیا چنانچہ برادر موصوف نے مجھے علی گڑھ سے ایک خط لکھا تھا اس کی نقل بجنسہ اس مقام پر درج کی جاتی ہے۔

خط

مہربان برادران طریقت مسند آرائے بزم معرفت زاد اللہ عرفانہ تسلیم

آپ کی تحریر کے ورود نے عزت بخشی آپ کا خیال نہایت عمدہ ہے، آپ ہی کے گھر کا فیض ہے کہ اس زمانہ میں اور اس حالت میں بھی میرے عقائد محفوظ ہیں، وہی ہوا ہے کہ اس طوفان بے تمیزی میں بھی دیدۂ دل سے کبھی کبھی پردۂ غفلت اٹھا دیتی ہے اور یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے ؎

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است — بر ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

موروثی معتقد اکبر حسین"

نذر محبوب صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹

یہ کتاب نذر محبوب حضرت اکبر الہ آبادی کی وفات ۱۳۴۰ھ سے تقریباً چالیس سال قبل چھپی تھی، اس کتاب کے صفحہ ۷۵-۷۰۰ پر شاہ اکبر دانا پوری نے حضرت اکبر الہ آبادی کے چھوٹے بھائی سید اکبر حسین صاحب کے حالات بھی ابوالعلائی ہونے کی وجہ سے درج کیے ہیں، بخوف طوالت اسے حذف کرتا ہوں۔

[1] کیفیت العارفین صفحہ ۲۸۰

اس نگہ کے نام

(جو بظاہر نگاہ سے کم ہے)

ڈاکٹر ملک پوری

یہ مرا خانۂ ویراں مرا ٹوٹا ہوا دل
اس طرح تیری نگاہوں سے بنا تھا کعبہ
جیسے تاروں سے سجے انجمن کاہکشاں
سنگریزوں سے بنے جیسے کوئی تاج محل
جیسے شاخوں کے گلے ملنے سے آئے نکھار
جیسے کلیوں کے تبسم سے سنور جائے چمن
نکہت و رنگ سے جس طرح نکھر جائے چمن
یہ مرا خانۂ ویراں مرا ٹوٹا ہوا دل
اس طرح تیری نگاہوں سے بنا تھا کعبہ
ڈھا دیا پھر اسی کعبہ کو تغافل نے ترے
تیری اس کم نگہی کے صدقے
جس نے لوٹا دیا مجھ کو مرا ٹوٹا ہوا دل

خواب

سید فضل المتین

سوتے سوتے جاگ پڑا ہوں، چونک پڑا ہوں
خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہوں، دیکھ رہا ہوں
گھومتا کرہ ——
جلتی بجھتی، بجلی!
جانے کیسا خواب ہے دیکھا؟

بے نام کشش

بدیع الزماں خاں خاور

کوئی نجومی نہیں، جو بتا دے
ٹوٹ کر میوۂ شاخِ دوراں
غم کی دھرتی پہ کیوں آ گرا ہے؟
جو مرے دل میں ہے، اس کشش کا
کس کو معلوم ہے، نام کیا ہے!!

جنون

شمس فریدی

بات جب بصیرت کی کوئی مجھ سے کرتا ہے
چاہتا ہے دل میرا
اپنے سر کو پتھر سے پاش پاش کر ڈالوں
آدمی کے سر سے پھر اپنے سر کو ٹکراؤں

غزلیں

شفا گوالیاری

غنچہ و گل سے کبھی برق و شرر سے گزرے
عشق کی راہ میں ہر رنگ سفر سے گزرے

یوں تو ہم زاہد و ہر شاہد و منبر سے گزرے
یہ بتاؤ کبھی اس راہگزر سے گزرے؟

ان سے نظارے کا شکوہ بھی کریں کس منہ سے
آج تک تو وہی نہ ہم اپنی نظر سے گزرے

کسی انداز سے گلگشت نہ ہونے دیوانے
مسکراتے ہوئے گزرے وہ جدھر سے گزرے

ظلمتوں میں رہا ضوپاش تصور اُن کا
ہم شبِ ہجر کئی بار سحر سے گزرے

ہر طرف ان کے ہی جلووں کی تھی نیرنگی جو
ان کی راہوں سے نہ گزرے تو کدھر سے گزرے

ان کی دزدیدہ نظر کی وہ حسیں انگڑائی
جیسے شبنم کی کرن پھول کے سر سے گزرے

جن کا پلکوں پہ ٹھکانا نہ تھا دامن میں پناہ
ایسے آنسو بھی مرے دیدۂ تر سے گزرے

روپ بھر بھر کے اجالوں کا جو آئے تھے شفا
وہ اندھیرے بھی چراغوں کی نظر سے گزرے

ذکاء الدین شایاں

چونکے خیالِ دوست کے شراروں کو سانس آئی
تم آگئے تو غم کی بہاروں کو سانس آئی

کس کے جلو میں پھر سے ابھرتی ہوئی حیات
دھرتی پہ آ کے راہگزاروں کو سانس آئی

جلوے افق سے پھیل رہے تھے کہ تھم گئے
وہ آنکھ جب اٹھی تو نظاروں کو سانس آئی

تیرے بغیر بھی تو ہوئی زندگی وبال
تجھ سے بھی دور رہ کے دلداروں کو سانس آئی

مُردہ پڑے ہیں کب سے تمنا کے قافلے
کوئی ملا تو ان تھکے ہاروں کو سانس آئی

اس سمت شمعِ بزم نے لیں چند ہچکیاں
اس سمت آسماں کے ستاروں کو سانس آئی

فہیم حنفی

دور تک اک دھند ہے تنہا بیٹھا سوچ رہا ہوں
میں بھی اس اندھیر نگر کی اک خاموش صدا ہوں

سرخ ہوئی جاتی ہیں ہوائیں کیوں مجھ کو کیا
سبز ہوں لیکن سبز نہیں ہوں شاید پیڑ جلا ہوں

وہ بے نام سی منزل آخر کب تک ہاتھ لگے گی
صدیوں اپنے جسم کی گلیوں میں یوں ہی بھٹکا ہوں

بہت بھلی لگتی ہیں گلیاں گلی گلی چلتی ہیں
دشتِ وفا کے آئینے میں تجھ کو دیکھ چکا ہوں

روزِ ازل سے گھر میں رہتا ہوں جیسے میں تھا
کون ہے آخر کون ہے جس کے ٹوٹے دل کی صدا ہوں

تکتے ہیں آنکھوں نقطے ہیں لیکن تصویر کہاں ہے؟
میں کیا ہوں آخر میں کیا ہوں [illegible]

خالد رحیم

سوئی ہوئی رات ہے اور جاگی جاگی چاندنی
کس قدر کیف آفریں ہے آج بھی اجلی چاندنی

کتنے جذبوں کو جگا دیتی ہے خوابیدہ رات
جیسے جیسے حسن پر پھیلی پھیلی چاندنی

آؤ ہم دونوں کو پھر رستہ دکھانے کے لیے
دور تک جگمگ ہوئی ہے گوری گوری چاندنی

تو شبِ مہتاب تیری سے نکھر جب انجمن
نکھار ہر سمت ہوئی ہے بسی بسی چاندنی

آج شاید چھو کے آئی ہے کسی کا پیرہن
وہ تمہارے گال ہے مہکی مہکی چاندنی

یوں دبے قدموں چلے جیسے گھر میں چور در آئے کوئی
یوں کمرے کمرے میں آئی چوری چوری چاندنی

اک تمہارے سوا تھے صبح تک جاگی تھی پھر یہ
وہ شعاع در تمہیں دیکھی روٹھی چاندنی

ہجر کی ظلمت میں کتنا آسرا دیتی ہے یہ
میرے شعروں میں ہے خالد ہلکی ہلکی چاندنی

دی مغل لائن لمیٹڈ

حج ۱۹۶۷ء

بمبئی سے بحری جہازوں کی روانگی

قبل رمضان جہاز کی روانگی

تقریباً ... دسمبر ۱۹۶۶ء کو روانہ ہوگا

بعد رمضان جہازوں کی روانگی

تقریباً ... فروری ۱۹۶۷ء کو روانہ ہوگا

[illegible]

کسی اور شکل میں شامل کی اور بینک کے ذریعہ کوئی رقم قبول نہیں کی جائے گی۔

[illegible]

نشستیں محفوظ کرانے کا طریقہ

[illegible]

سعد ایل جہاز

بمبئی / جدہ / بمبئی

[illegible]

صرف واپسی ٹکٹ ہی جاری کئے جائیں گے

[illegible]

بکنگ آفس: ... صابو صدیق مسافرخانہ کراک روڈ بمبئی

تار کا پتہ: مغل بمبئی

MOGUL BOMBAY

دی مغل لائن لمیٹڈ - کابینک اسٹریٹ بمبئی

شعبہ اردو و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی میں تحقیقی کام کی رفتار

(لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو و فارسی میں ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء تک جو تحقیقی کام ہوا ہے اس کی رپورٹ درج ذیل ہے۔ دوسری یونیورسٹیوں کے اردو شعبوں سے درخواست ہے کہ وہ بھی اپنے شعبہ کی تحقیقی سرگرمیوں کی رپورٹ ہماری زبان میں اشاعت کے لیے بھیجیں۔ ادارہ ہماری زبان)

شعبۂ اردو و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی میں ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء تک حسب ذیل تفصیل پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ پر کام کیا جا چکا ہے۔

	اردو	فارسی
پی۔ ایچ۔ ڈی۔	۱۸	۶
ڈی لٹ۔	۳	۳
حسب ذیل تعداد میں طلبہ کام کر رہے ہیں		
پی۔ ایچ۔ ڈی	۱۵	۱۰
ڈی لٹ	۲	۳

حسب ذیل مقالے شایع ہو چکے ہیں۔

اردو تنقید کا ارتقا۔ اردو سوانح عمری کا ارتقا۔ حالی بحیثیت شاعر۔ اردو رباعیات۔ میر انیس کی رزمیہ شاعری۔ اردو غزل کے پچاس سال۔ نظیری۔ حیات اور شاعری۔ جگر حیات اور شاعری پر مقالہ زیر طبع ہے۔

حالی بحیثیت شاعر پر اتر پردیش کی حکومت نے رام پرشاد بسمل انعام دیا ہے۔

اردو: حسب ذیل موضوعات پر اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی جا چکی ہے۔

۱۔ پریم چند۔ حیات اور تخلیقات۔ ۱۹۴۵ء ڈاکٹر جگت نرائن سکسینہ دال
۲۔ اردو تنقید کا ارتقا۔ ۱۹۴۰ء ڈاکٹر عبادت بریلوی
۳۔ اودھ میں اردو ادب۔ ۱۹۵۰ء ڈاکٹر محمد حسن
۴۔ اردو سوانح عمری کا ارتقا۔ ۱۹۵۶ء ڈاکٹر سید شاہ علی
۵۔ اردو رباعیات۔ ۱۹۵۸ء ڈاکٹر عبد السلام
۶۔ چکبست حیات اور تخلیقات۔ ۱۹۵۸ء ڈاکٹر افضال احمد
۷۔ میر انیس کی رزمیہ شاعری۔ ۱۹۵۹ء ڈاکٹر اکبر حیدری
۸۔ حالی بحیثیت شاعر۔ ۱۹۶۰ء ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی
۹۔ اردو غزل کے پچاس سال (۱۸۷۰-۱۹۲۰) ۱۹۶۰ء ڈاکٹر عبد الاحد خاں خلیل
۱۰۔ فردوسی اور انیس تقابلی مطالعہ ۱۹۶۳ء ڈاکٹر سید فدا حسین
۱۱۔ جنگ آزادی میں اردو شاعری کا حصہ ۱۹۶۳ء ڈاکٹر عالیہ عسکری
۱۲۔ پریم چند کے ناولوں میں عورتوں کا کردار " ڈاکٹر قمر نکہت
۱۳۔ سرشار بحیثیت ناول نگار " ڈاکٹر اعجاز نقوی
۱۴۔ لکھنؤ اسکول کی مثنویاں ۱۹۶۴ء ڈاکٹر سید سلیمان حسین
۱۵۔ اردو شاعری میں تمیجات ۱۹۶۵ء ڈاکٹر مصاحب علی
۱۶۔ منیر شکوہ آبادی حیات اور شاعری ۱۹۶۵ء ڈاکٹر زہرہ یاسمین
۱۷۔ جگر مراد آبادی۔ حیات اور شاعری ۱۹۶۵ء ڈاکٹر محمد اسلام خاں
۱۸۔ اردو میں جدید تنقید کے اصول ۱۹۶۵ء ڈاکٹر شاداب ردولوی

حسب ذیل موضوعات پر پی۔ ایچ۔ ڈی میں کام ہو رہا ہے۔

۱۔ اکبر بحیثیت طنزیہ و مزاحیہ شاعر ۱۹۵۹ء سید علی رضا حسینی
۲۔ خوش معرکۂ زیبا (تذکرہ) ۱۹۵۹ء سید محمد شمیم احمد ۳۔ جعفر تقی میر اور ان کی مثنویاں ۱۹۵۹ء شبیہ حسن
۴۔ اردو میں نفسیاتی تنقید۔ ۱۹۶۰ء سید محمود الحسن رضوی
۵۔ جلیل مانک پوری۔ حیات اور شاعری ۱۹۶۱ء مسرور احمد
۶۔ انیسویں صدی میں لکھنؤ میں طنز و مزاح کا ارتقا ۱۹۶۱ء محمد زینب پرشاد (؟)
۷۔ دبستان اکمل کے چند شعرا ۱۹۶۱ء رضا حیدر ۸۔ اردو تذکرے ۱۹۶۲ء مصطفیٰ اکمال ہاشمی
۹۔ اودھ میں اردو غزل کا سماجی اور تہذیبی پس منظر ۱۹۶۲ء مظفر احمد لاری
۱۰۔ کلیات جرأت ۱۹۶۲ء محمد عتیق ۱۱۔ امیر اور ان کا عہد ۱۹۶۲ء ریاض الحسن
۱۲۔ ناسخ کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۶۳ء سید شبیہ الحسن نونہروی
۱۳۔ لکھنؤ میں داستان گوئی کا ارتقا مسز راجرہ وحید لکھنوی ۱۹۶۵ء سید صفدر حسین عابدی
۱۴۔ اردو ناولوں میں کردار نگاری کا ارتقا ۱۹۶۵ء مسز نکہت فرید
حسب ذیل ڈی لٹ میں کام ہو چکا ہے
۱۔ کلیات ولی ۱۹۴۴ء ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ۲۔ کتاب نورس ۱۹۵۵ء ڈاکٹر نذیر احمد
۳۔ اردو شاعری میں منظر نگاری ۱۹۶۴ء ڈاکٹر عبد السلام
۴۔ اردو میں داخلی بحیثیت نثر نگار ۱۹۶۴ء ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی
۵۔ ترتیب خانۂ جاب ۱۹۶۶ء ڈاکٹر سید سلیمان حسین۔

فارسی: حسب ذیل موضوعات پر فارسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری دی جا چکی ہے

پی ایچ ڈی

۱۔ ظہوری حیات اور شاعری ۱۹۴۴ء ڈاکٹر نذیر احمد ۲۔ خازن بیگ ترخان ۱۹۵۵ء ڈاکٹر اختر مسعود
۳۔ غزنوی و غوری حکومت میں فارسی ادب کا ارتقا ۱۹۶۱ء ڈاکٹر محمد رضوان علوی
۴۔ عرفی حیات اور شاعری ۱۹۶۲ء ڈاکٹر ولی الحق انصاری
۵۔ ابو طالب — حیات اور شاعری ۱۹۶۵ء چودھری زردست علی
۶۔ ملک الشعرا بہار حیات اور شاعری ۱۹۶۶ء سید آفتاب اختر رضوی

ڈی۔ لٹ:۔

۱۔ علی عادل شاہ بیجاپور کے درباری شعرا ۱۹۵۱ء ڈاکٹر نذیر احمد
۲۔ تدوین ہفت اقلیم (اقلیم پنجم) ۱۹۵۸ء ڈاکٹر شمشیر بہادر مصدی
۳۔ تدوین تذکرہ نفائس المآثر مع مقدمہ ۱۹۶۵ء ڈاکٹر ہم فخر الزماں

حسب ذیل موضوعات پر کام ہو رہا ہے۔

پی ایچ ڈی

۱۔ شیخ علی حزیں حیات اور شاعری۔ ابرار احمد ۲۔ آصف الدولہ اور ان کے عہد میں فارسی کا ارتقا خان محمد عاطف
۳۔ تدوین دیوان غزل طالب آملی۔ آصف زمانی ۴۔ حسن سجزی۔ شکیل احمد صدیقی
۵۔ مرزا قتیل حیات اور شاعری۔ قمر جہاں
۶۔ ملا محمد صوفی اور ان کا دیوان۔ نیر مسعود رضوی
۷۔ مثنوی غلام علی آزاد بلگرامی۔ شریف الحسن صدیقی
۸۔ جدید فارسی شاعری میں وطنیت۔ مرزا محمد اطہر
۹۔ مغلوں کے عہد میں ہندوؤں کی فارسی خدمات۔ رشید ریحاد مرزا منیا
۱۰۔ محتشم کاشی۔ حیات اور شاعری۔ سید اطہر مسعود رضوی

ڈی۔ لٹ۔

۱۔ عہد مغلیہ میں فارسی ادب کا ارتقا دو جلد۔ ڈاکٹر ولی الحق انصاری
۲۔ بابی کا صوفیانہ ادب میں حصہ۔ ڈاکٹر عبد الاحد خاں
۳۔ عہد مغلیہ میں فارسی کے نثری شاہکار۔ ڈاکٹر سید رضیب حسین

اتر پردیش میں اردو کے مسائل

پروفیسر احتشام حسین صاحب سے بات چیت

ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کی طرح جوبلی کے موقع پر منعقدہ سمپوزیم میں شرکت کے لیے جناب پروفیسر سید احتشام حسین حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۲۷ ستمبر کو ایوانِ اردو میں راقم السطور نے پروفیسر صاحب سے یوپی میں اردو کے تعلق سے بات چیت کی۔

آزادی سے پہلے یوپی میں اردو کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر احتشام حسین رضوی نے بتایا کہ اگر آزادی سے پہلے کے دس بیس سال قبل مراد ہے تو دونوں حالت میں تعداد کے لحاظ سے کچھ بہت زیادہ فرق نہیں ہوا، کیونکہ ہندوستانی سیاست جس راہ پر جا رہی تھی، اس سے اردو کو پہلے ہی سخت دھکا لگ چکا تھا۔ ایک مشکل جو سب سے زیادہ خطرناک معلوم ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ مسلم لیگ نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اردو کو مسلمانوں کی زبان کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ کہ اردو دانوں کی ایک خاصی جماعت اس خیال کی مخالف بھی تھی۔ اس سے جو نقصان پہونچ سکتا تھا وہ پہونچ گیا۔ ہندو اور مسلمان دونوں فرقہ پرستوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ آزادی کے بعد اس صورت حال میں سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ قانوناً دیوناگری رسم خط میں لکھی جانے والی ہندی اتر پردیش کی سرکاری زبان قرار پائی۔

اس ڈیڑھ سطر کے قانون میں اردو کے حق کو ملیامیٹ کر دینے کی پوری طاقت تھی چنانچہ اسی کا سہارا لے کر عدالتوں نے اور محکمہ تعلیم نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اتر پردیش میں ہندی کے سوا کسی دوسری زبان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جب قانوناً ہم سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم ہندی کے سوا کسی دوسری زبان یعنی اردو میں عدالت کے لیے کوئی کاغذ قبول کریں یا اس سے تعلیم کا انتظام کریں۔ چنانچہ بہت سے میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولوں نے اپنے ہاں سے اردو خارج کر دی۔ پرائیویٹ اسکولوں اور کالجوں نے اردو کی تعلیم سے ہاتھ کھینچ لیا اور عدالتوں نے اردو میں کسی قسم کے کاغذات قبول کرنا بند کر دیا۔ اس زبردست تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو جو بعض حیثیتوں سے بعض علاقوں میں ہندی سے زیادہ مقبول تھی بڑی نیچی سطح پر آ گئی۔

دوسرا بڑا اثر جو اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا یہ ہوا کہ خود اردو دانوں میں بے دلی اور مایوسی کا احساس پیدا ہو گیا اور انھوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ صرف ہندی جاننے سے ملازمتیں مل سکتی ہیں۔ ان کا اثر اردو کے اشاعت کتب، اخبارات و رسائل پر بھی پڑا اور باوجود بہت سی کوششوں کے مایوسی کا یہ اثر اب بھی قائم ہے۔

آزادی کے بعد یوپی میں اردو پر کیا گزری اس کی وضاحت کرتے ہوئے احتشام صاحب نے کہا کہ یہ بات شروع ہی میں سمجھ لینا ضروری ہے کہ اردو کے حلقے میں یوپی، بہار، دہلی، مدھیہ پردیش اور راجستھان کے کچھ حصوں کو سمجھنا ہے۔ اردو کی دوسری علاقوں کے موقف سے مختلف ہے کیونکہ یہی وہ علاقے ہیں جہاں ہندی کو علاقائی زبان قرار دیا گیا۔ اور اردو کو وہ حیثیت بھی نہیں دی گئی جو ایک علاقائی زبان کو دی جانی چاہیے۔

خاص طور سے یوپی میں سیاسی ذہنوں نے اردو کی کھلم کھلا مخالفت اس لیے کی کہ وہ اسی کو اردو کا مضبوط قلعہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر اردو کو یوپی میں کچل دیا جائے تو دوسرے صوبوں میں اس کی اہمیت کو کم کر دینا مشکل نہیں [illegible]

اردو سے جب تعصب برتا جانے لگا تو کچھ تحریکوں نے ساتھ حکومتِ ہند اور صدر جمہوریہ کی خدمت میں یہ یادداشت پیش کی کہ دستورِ ہند کے دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو بھی یوپی میں بعض سرکاری کاموں کے لیے علاقائی زبان قرار دے دیا جائے۔ خود یوپی کی حکومت نے اس کی مخالفت کی بلکہ ہندی کے مختلف اداروں اور بعض اہم شخصیتوں نے بھی اسے فرقہ پرستی اور قومی اختلافات کا باعث قرار دیا اور حکومتِ ہند پر بھی ظاہر کیا کہ یہ صرف مٹھی بھر لوگوں کا مطالبہ ہے اور اردو کو وہ ساری سہولتیں فراہم ہیں جو قانوناً فراہم ہونا چاہئیں۔ حکومت نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ صحیح صورت حال کا پتہ چلایا جائے۔ لسانی کمشنر کی چار پانچ رپورٹوں میں یہ بات متعدد جگہ دہرائی گئی ہے کہ [illegible] ماننے کے باوجود یوپی کی حکومت اردو کے ساتھ انصاف نہیں کر رہی ہے۔ لیکن پھر بھی حکومتِ ہند نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس سے یوپی میں اردو کی حالت بہتر ہو سکتی۔ بات چیت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پروفیسر احتشام نے کہا کہ روشنی کی ایک کرن اس وقت نظر آئی جب یہ کہا گیا کہ جس اسکول میں دس یا جس درجے میں دس طالب علم اردو پڑھنا چاہیں گے اس کے لیے انتظام کیا جائے گا لیکن اسکولوں اور کالجوں نے بہت سے بہانے کر کے اس پر بھی عمل درآمد نہیں ہونے دیا۔ جب ہندوستان کے تمام وزرائے تعلیم نے مرکزی حکومت کی خواہش پر سہ لسانی فارمولا قبول کر لیا اس وقت پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ ثانوی اور اعلیٰ اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام ہو جائے گا لیکن یوپی کی حکومت نے سہ لسانی فارمولے میں ترمیم کر کے جدید زبانوں کی جگہ صرف زبانوں کا لفظ رکھا، اور اس میں سنسکرت کو بھی شامل کر لیا۔ اس طرح اردو کو جو حق ملا تھا وہ اردو اور سنسکرت میں تقسیم ہو گیا، فرقہ وارانہ تعصب نے اردو کو شکست دینے کا ایک ذریعہ تلاش کر لیا اور اس فارمولے کے تحت اردو کو جو فائدہ پہونچنا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا۔ اس طرح پورے ہندوستان کے نقشے میں یوپی کے نقشے پر سب سے زیادہ گہری دھند نظر آتی ہے۔ یہاں اب بھی اردو کے لیے وہ آسانیاں فراہم نہیں ہوئیں جو قانوناً اور دستوری حیثیت سے اسے حاصل ہیں یہاں تک کہ عدالتوں اور تعلیمی اداروں میں اردو آج بھی کوئی واضح مقام نہیں رکھتی۔ اس کا اثر اعلیٰ تعلیم پر بھی پڑ رہا ہے اور یونیورسٹیوں میں اردو کے لیے تقریباً وہی سہولتیں فراہم ہیں جو دوسرے مضامین کے لیے ہیں۔ چونکہ ابتدائی مدارس میں اردو کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے اس لیے اعلیٰ تعلیم میں بھی طلبہ اس کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ انھیں احساس ہو چلا ہے کہ اردو پڑھنے سے انھیں زندگی کی جدوجہد میں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لیے اس کا پڑھنا لاحاصل ہے۔

پروفیسر سید احتشام حسین نے یوپی میں اردو کے متعلق حیات اللہ انصاری [illegible] جب مجلس [illegible] ڈاکٹر فریدی اردو [illegible] اور بعض دوسرے ادارے جو کام کر رہے ہیں ان کی نوعیت کے متعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جب اردو کو سرکاری طور پر [illegible] ہے تو [illegible] کوئی سہارا [illegible] مختلف گروہوں، سیاسی جماعتوں اور شخصیتوں نے اپنے اپنے طور پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی چنانچہ انجمن ترقی اردو جو ایک آل انڈیا ادارہ ہے اس نے اپنے علاقائی زبان کے مطالبے کو جاری رکھا لیکن کوئی ایسی عملی تحریک سے احتراز کیا جس سے فرقہ پرستی کو [illegible] اور فرقہ پرست جماعتوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ اس انجمن کو جس صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس کی تصدیق [illegible] حیات اللہ انصاری اور بیگم انیس قدوائی [illegible]

کے خیالات میں جھلکتی ہے۔ مجلس مشاورت دینی تعلیمی کونسل اور اس طرح کے دوسرے ادارے اسے خالص مسلمانوں کا مسئلہ بنا کر حکومت سے اس کا تحفظ چاہتے ہیں یا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کانگریس مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کر رہی ہے۔

رہ گیا اردو کے تحفظ کا سوال تو وہ اتنی مختصر جماعت ہے کہ وہ کسی طرح حکومت سے عوام کے اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کم سے کم میری نظر میں اس وقت اتر پردیش میں کوئی ایسی تنظیم نہیں ہے جو سیاسی دباؤ ڈال کر اردو کے لیے حقوق حاصل کر سکے۔ اردو کے مسئلہ کو کل ہند مسئلہ کی حیثیت سے دیکھتی ہو۔ اور کچھ ہو سکتا ہے تو انجمن ترقی اردو ہی کے توسط سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اردو کے کو کل ہند مسئلہ کی حیثیت سے دیکھتی ہے۔ اور وہ ذرائع اختیار کرنا چاہتی ہے جو دستوری اور قانونی ہوں اس کے علاوہ یہی انجمن سارے ملک میں اردو کے ساتھ انصاف کرنے کی ایک ایسی فضا تیار کر رہی ہے جس میں غیر اردو داں بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھیں۔ اور ملک کے جمہوری موقف کو مضبوط بنانے کے لیے اردو کے ساتھ انصاف کا مطالبہ کریں۔

ہندوستان میں اردو کے گوناگوں مسائل ہیں ان کے سلسلے میں احتشام صاحب نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ پر بہت زیادہ غور کیا ہے لیکن سیاسی اور تہذیبی مسائل کچھ اس طرح الجھ گئے ہیں کہ اردو کے مسئلہ کو خالص لسانی نقطہ نظر سے الجھا ہوا بے محل نہیں رہا ہے۔ میں اسے ہندوستان کے جمہوری اور اشتراکی مستقبل سے وابستہ سمجھتا ہوں میرا خیال ہے کہ جیسے جیسے ہم میں جمہوری احساس پیدا ہوگا۔ فرقہ پرستی اور مذہبی تنگ نظری کا زور گھٹے گا۔ جیسے جیسے ہم اشتراکیت کی طرف بڑھیں گے، ہمارے چھوٹے چھوٹے معاشی مفاد اور سماجی ناانصافیوں کے سبب میں توازن پیدا ہوگا۔ اور اس طرح ہندوستان کی تمام زبانوں اور تمام فرقوں کو مساوی حقوق کی بنیاد پر زندہ رہنے کا موقع ملے گا۔ چونکہ اردو نے ہندوستان کی سیاسی اور تہذیبی تعمیر میں غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ فرقہ پرستی اور تنگ نظری کی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ اس لیے ایک اشتراکی نظام میں اس کی اس روایت کو سراہا جائے گا اور اس طرح اس کو وہ حقوق حاصل ہوں گے جو کسی دوسری زبان کو حاصل ہیں۔ (وقار خلیل)

ریاستی انجمن ترقی اردو پنجابی صوبہ کی ایڈہاک کمیٹی کے عہدیداروں کے انتخابات

مالیرکوٹلہ۔ پنجابی صوبہ کی ایڈہاک کمیٹی کے کنوینر جناب محمد کفایت اللہ صاحب کی اطلاع کے مطابق ایڈہاک کمیٹی کے انتخابات معروف طریقوں پر ہو گئے ہیں انتخابات ۲۲ر ستمبر کو لدھیانہ میں ایک خصوصی اجلاس میں ہوئے۔ ایڈہاک کمیٹی کے پچیس ممبروں میں اٹھارہ ممبر شریک تھے باقی کسی مجبوری کی بنا پر تشریف نہ لا سکے انتخابات کی تفصیل یہ ہے:

صدر۔ مہر وار گیان سنگھ راڑے والا۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

نائبین صدر۔ (۱) مہر چند صاحب آہوجہ (چنڈی گڑھ)

(۲) سردار ادھے سنگھ شائق (فرید کوٹ)

(۳) جناب ست پرکاش سالک (ہوشیار پور)

جنرل سکریٹری۔ جناب سورج تنویر (چنڈی گڑھ)

سکریٹری۔ (۱) محمد کفایت اللہ (مالیرکوٹلہ)

(۲) جناب پورن سنگھ ہنر (امرتسر)

پبلسٹی سکریٹری۔ جناب موہن لال شگفتہ (لدھیانہ)

خازن۔ جناب نوبہار صابر (پٹیالہ)

جلسہ کی پوری کارروائی خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ ۲۵ر ستمبر کو انجمن کے اراکین اور دیگر اردو دوستوں نے پنجاب میں اردو کے مسائل پر بحث کی اور موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا۔ جن مسائل پر غور کیا گیا ان میں تعلیم میں اردو کا مقام، سرکاری نظم و نسق میں اردو کا مقام، پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اردو تعلیم کا انتظام، پنجاب یونیورسٹی و پنجابی یونیورسٹی، آل انڈیا ریڈیو جالندھر، ریلوے بورڈ، محکمہ لسانیات پنجاب، انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات کا اجرا، شہروں اور قصبات میں انجمن کی تنظیم، پنجاب اردو کنونشن، دستور یاستی انجمن وغیرہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایڈہاک کمیٹی کے انتخابات کے بعد ایک مشاعرہ بھی ہوا جو ہر طرح سے کامیاب رہا۔ اس مشاعرہ کی ٹیپ ریکارڈنگ آل انڈیا ریڈیو جالندھر سے عنقریب نشر کی جائے گی۔

جلسوں کو کامیاب بنانے میں شاخ لدھیانہ کے صدر پروفیسر بیاسے لال رتن اور اینگلو سنسکرت ہائر سیکنڈری اسکول کے پرنسپل جناب مدن گوپال نے بہت نمایاں حصہ لیا۔ (ادارہ ہماری زبان)

آگرہ میں انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کی مہم

انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ کی جانب سے صوبائی انجمن کی تجویز کے مطابق انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کی مہم پر زور انداز میں شروع ہو چکی ہے۔ عوام تک انجمن کا پیغام پہنچانے کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں مشاعرے اور جلسے منعقد کیے گئے جس میں معین فریدی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ نے اپنی تقریروں کے ذریعہ عوام کو اردو کی زبوں حالی، انجمن کے کارناموں اور ان کے اغراض کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے علاوہ مقامی اخبارات، دیواری اشتہارات اور سینما گھروں میں سلائیڈ کے ذریعہ اس مہم کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ انجمن کو اپنے کام میں خاطر خواہ کامیابی ہو چکی ہے۔

(معین فریدی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ آگرہ)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ مرتضیٰ پور کا الحاق ہو گیا

اردو دوست انجمن کے ممبر بنیں

مہاراشٹر کے اردو دوستوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ مرتضیٰ پور کا باقاعدہ الحاق بحیثیت شاخ انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر سے ہو گیا۔ مرتضیٰ پور کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ اردو کی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ مرتضیٰ پور کے ممبر بنیں۔

ممبر سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ:۔

جناب محمد مسعود محمد حاتم صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ مرتضیٰ پور معرفت جناب غلام محمد جو تال والے صاحب میونسپل کمیٹی کے پاس۔

(مرتضیٰ پور ضلع اکولہ) م ی کی طرف سے بشکریہ نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر

قومی یکجہتی کو برقرار رکھنے کی صلاحیت صرف اردو زبان میں ہے

وزیر آبپاشی مہاراشٹر مسٹر چوہان کی ناگپور میں تقریر

ناگپور، منگل کی شب حنیفہ بیکری مومن پورہ کے وسیع میدان میں تقریباً سات ہزار حامیان اردو کو مخاطب کرتے ہوئے حکومت مہاراشٹر کے وزیر آبپاشی نے نہایت شستہ اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا ملک میں قومی یکجہتی کو برقرار رکھنے کی اگر صلاحیت کسی زبان میں ہے تو وہ اردو زبان ہے یہ خیال غلط ہے کہ یہ کسی ایک فرقے یا ایک مذہب کے ماننے والوں کی زبان ہے۔ وزیر جناب شنکر راؤ چوہان جو عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں انجمن ترقی اردو کی شاخ ناگپور کے افتتاحی جلسے کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے تقریر کر رہے تھے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بڑی بدقسمتی ہوگی اگر اردو والوں نے یہ سمجھا کہ انھوں نے آزادی کے بیس سال میں کچھ کھویا ہے اس لیے کہ ان ایام میں اردو نے ترقی کی ہے انھوں نے اپنے سیلون کے سفر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب سیلون اور لنکا جیسے ملک میں اردو زبان کی فلموں کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے تو یہ کیسے سمجھا جائے کہ اردو والوں نے کچھ کھویا ہے۔ وزیر موصوف نے ناگپور یونیورسٹی کی اکاڈمک کونسل میں متنازعہ بنے ہوئے اقلیتی زبانوں کے مسئلہ کو اکاڈمک کونسل کے اپنے ۲۴ اور ۲۵ ستمبر کے جلسوں میں طویل بحث کے بعد التوا میں ڈالنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں کولتے صاحب وائس چانسلر کو جانتا ہوں وہ کسی بھی زبان سے نفرت نہیں کرتے مجھے یقین ہے کہ وہ آئندہ جلسے میں اقلیتی زبانوں کے ان حقوق کو بحال کرنے پر زور دیں گے جو انھیں آزادی سے پہلے سے حاصل ہیں۔ آپ نے انجمن کو مشورہ بھی دیا کہ وہ اس سلسلے میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم سے رجوع کریں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں اس مسئلے کو حل کرنے میں پوری مدد کریں گے۔ آپ نے قاضی سلیم ایم۔ ایل۔ سی کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ قاضی صاحب نے مہاراشٹر گورنمنٹ کے سامنے اردو کے حق کے متعلق جو نکات رکھے ہیں وہ قابل توجہ ہیں اگر انجمن اپنے ان مطالبات کو باقاعدگی سے حکومت کے سامنے پیش کرے گی تو اس پر یقیناً غور کیا جائے گا اور ہر جائز مطالبہ تسلیم کیا جائے گا۔ آپ نے دوران تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ کسی اور زبان کے مقابلے میں اردو کی نظم سہل اور عام فہم ہوتی ہے میں جب مراٹھی زبان کی نظم اور اردو زبان کی نظم کا موازنہ کرتا ہوں تو اردو کی نظم کو ترجیح دیتا ہوں۔ اردو نے سب زبانوں کو اپنایا ہے اسی لیے وہ مقبولیت حاصل کر رہی ہے اگر اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ زیادہ بھر دیے گئے تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اردو کو قومی زبان بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ عوامی اور عام فہم بنایا جائے اردو کا یہ مقدس پیغام ہے اردو کے معاملے میں میں یقین دلاتا ہوں کہ ریاست مہاراشٹر میں اس کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی نہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ناگپور یونیورسٹی کے مسئلہ میں نہ تو آپ کو حکومت تک جانا ہوگا اور نہ ہی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑے گی۔

میرے نزدیک یہ مطالبہ بالکل جائز اور مناسب ہے کہ جس شہر کی کارپوریشن یا میونسپلٹی میں اردو داں آبادی زیادہ ہے اسے نہ صرف اردو کی درخواستیں قبول کرنا چاہیے بلکہ میں اس حق میں ہوں کہ جواب بھی اردو زبان میں دیا جائے میں چاہتا ہوں کہ انجمن ترقی اردو کا پہلا قدم پرائمری تعلیم کو فروغ دینے کی جانب اٹھے۔ اردو والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی مادری زبان اردو کے مسئلہ میں جس دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ اتنی ہی دلچسپی اور توجہ اپنی علاقائی زبان مراٹھی کو حاصل کرنے کی طرف بھی دینی چاہیے۔ اس ریاست کے باشندوں کو اپنی مادری زبان اردو کے ساتھ ہی مراٹھی زبان بھی سیکھنی ہوگی۔ (الجمعیۃ)

دلی میونسپل کارپوریشن میں اردو کے الگ شعبہ کا قیام

نئی دلی ۲۹ ستمبر۔ دلی میونسپل کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی نے بدھ کے دن اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اہم ہدایات و کاغذات کی اشاعت نیز انھیں اردو میں ترجمہ کرنے کی غرض سے ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے علیحدہ شعبہ کھولنے کی یہ تجویز جناب عبدالستار نے پیش کی موصوف نے کہا کہ اردو کا جس طرح استعمال ہونا چاہیے وہ استعمال نہیں کی جا رہی ہے جبکہ یہ دوسری سرکاری زبان کا دلی میں درجہ رکھتی ہے۔

اردو سیکشن میں پانچ افراد ہوں گے اس وقت جنرل سیکشن میں اردو کے ترجمہ کا کام کرتا ہے۔ (الجمعیۃ)

جدید ایران کے بارے میں منیب الرحمٰن کے تاثرات

انجمن اردوئے معلیٰ کا جلسہ

علی گڑھ ۲۹ ستمبر۔ انجمن اردوئے معلیٰ شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک جلسہ آج زیر صدارت پروفیسر آل احمد سرور فیکلٹی آف آرٹس کے لاؤنج میں ہوا۔ اس جلسہ میں ڈاکٹر منیب الرحمٰن نے اپنے ایران کے سفر کے تاثرات پیش کیے۔ ڈاکٹر منیب الرحمٰن نے پچھلے دنوں ایران شناسوں کی کانفرنس میں شرکت کی تھی۔

سکریٹری کی رپورٹ کے بعد سرور صاحب نے انجمن اردوئے معلیٰ کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انجمن کی یہ روایت رہی ہے کہ رسمی انداز میں ہر تعلیمی سال کے آغاز میں اس کا کوئی افتتاحی جلسہ نہیں ہوتا نیز افتتاح کے لیے ان آدمیوں کو نہیں بلایا جاتا جن کو عرف عام میں بڑا آدمی کہا جاتا ہے یعنی مرکزی یا ریاستی حکومت کا کوئی وزیر یا سیاسی لیڈر بلکہ ان آدمیوں کو زحمت دی جاتی ہے جنھوں نے ادب یا علم میں کوئی اضافہ کیا ہے کہ حقیقی معنوں میں یہی بڑے آدمی ہیں۔

منیب الرحمٰن شعبۂ اردو سے وابستہ نہ ہوتے ہوئے بھی شعبہ کی تہذیبی اور ادبی زندگی سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ منیب الرحمٰن اور ان کے ساتھ ذوقی صاحب نے شعر و نثر کو اس کے مخصوص آہنگ اور لہجہ کے ساتھ پڑھنے کے بڑے اچھے مظاہرے پیش کیے ہیں جن سے ہمارے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ آگے چل کر سرور صاحب نے کہا کہ منیب صاحب ابھی کچھ دن پہلے ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے ایران گئے تھے ایران سے ہندوستان کے بہت پرانے تہذیبی تعلقات ہیں۔ اردو زبان و ادب کا ایران سے گہرا رشتہ ہے اس لیے میں نے منیب صاحب کو خاص طور سے اس بات پر آمادہ

کیا ہے کہ وہ جدید ایران کے بارے میں اپنے تاثرات ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے پیش کریں۔

سرور صاحب کی تعارفی تقریر کے بعد منیب الرحمٰن صاحب نے ایران کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں ایران شناسوں کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے اگست کے آخری ہفتہ میں ایران گیا تھا یہ کانفرنس اس لیے کی گئی تھی کہ دنیا کے ممتاز ایران شناس ایران کی مستند تاریخ لکھنے کے بارے میں غور و خوض کریں۔ اس کانفرنس کا افتتاح شاہ نے کیا اور یہ ایک ہفتہ تک چلتی رہی۔ اس میں دنیا کے اہم ممالک کے تقریباً ایک سو بیس دانشوروں نے اور ایران کے تقریباً ڈیڑھ سو نمائندوں نے شرکت کی۔

جدید ایران تہذیبی اور علمی اعتبار سے بڑی ترقی کر رہا ہے ایرانیوں کو اپنے تہذیبی ورثے کا احساس ہے اور وہ اپنی روایات سے باخبر ہیں طہران میں اگرچہ مغربی تہذیب کا اثر خاصا نمایاں ہے لیکن مجموعی اعتبار سے ایران مغرب زدہ نہیں ہے۔ اس کا احساس اصفہان اور شیراز میں خاص طور سے ہوا۔

ایرانی عوام ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں۔ وہ ہندوستان کی صنعتی ترقی سے متاثر ہیں اور ہندوستانی تہذیب کے زندہ عناصر کی قدر کرتے ہیں۔ ایران کی سیاست میں بھی ایک خاموش تبدیلی آ رہی ہے اور اب ان کا رجحان بھی غیر جانب دار پالیسی کی طرف ہے۔

ایرانیوں کی مہمان نوازی ان کے خلوص کا نقش میرے دل پر بہت گہرا ہے۔

منیب صاحب نے ایران میں تعلیم کے معیار، صنعتی ترقی کی رفتار، سیاسی رجحانات پر خاصی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

سکریٹری اور صدر کے شکریے کے ساتھ یہ جلسہ اختتام کو پہنچا۔ (ضیاء عبداللہ سکریٹری)

پروفیسر آل احمد سرور کی شملہ کو روانگی

علی گڑھ ۵؍اکتوبر۔ مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری جناب پروفیسر آل احمد سرور صاحب ایک سیمینار میں شرکت کے لیے یکم اکتوبر کو شملہ تشریف لے گئے ہیں ۱۰؍اکتوبر کو واپس ہوں گے سیمینار میں جدیدیت اور ہمعصر ادب کے موضوع پر مقالے پڑھے جائیں گے اور مباحثے ہوں گے۔ سرور صاحب جدیدیت اور ہمعصر اردو شاعری پر مقالہ پڑھیں گے۔ اس سیمینار کا اہتمام انسٹی ٹیوٹ آف اڈوانس اسٹڈیز شملہ نے کیا ہے۔

(نامہ نگار ہماری زبان)

نائب معتمد مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کی پٹنہ روانگی

علی گڑھ ۵؍اکتوبر۔ مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کے نائب معتمد جناب محمد حفیظ الدین صاحب کل آسام میل سے پٹنہ کے لیے روانہ ہو رہے ہیں وہ پٹنہ میں تین روز قیام کریں گے اور ریاستی انجمن ترقی اردو بہار کے حالیہ انتخابات کے سلسلے میں صورت حال کا جائزہ لے کر واپسی پر اس کی مفصل رپورٹ جنرل سکریٹری کو پیش کریں گے۔ (نامہ نگار ہماری زبان)

صفحہ ۲ سے آگے

وہ تقابلی مطالعے کے لیے چند عالمی شاہکاروں یا کسی ہندوستانی زبان کے شاہکاروں سے کچھ واقفیت پیدا کریں گے وہ تنقید کے ان اصولوں سے واقف ہوں گے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور انگریزی کے ادب میں اہمیت رکھتے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں اپنے فن پاروں پر عملی تنقید کر سکیں گے وہ فنون لطیفہ کی خصوصیات کا کچھ علم حاصل کر سکیں گے تاکہ انھیں حسن کاری کے مختلف آداب کا علم ہو خصوصاً فارم کا اور اس سلسلے میں مصوری بت تراشی، موسیقی اور فن تعمیر کے مبادیات کو ذہن نشین کر سکیں گے۔

ان اصولوں کی روشنی میں نو پرچوں کی اس طرح تقسیم کی جا سکتی ہے۔

(۱) اردو زبان کا لسانیاتی اور صوتی مطالعہ

(۲) اردو ادب ولی تک — غزل اور قصیدہ

(۳) اردو ادب شاہ حاتم سے ۱۸۵۷ء تک۔ مرثیہ، مثنوی اور نظم جدید

(۴) اردو ادب ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک — داستان، ناول، افسانہ، ڈراما

(۵) اردو ادب ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۷ء تک — انشائیہ، سوانح، مکاتیب، علمی نثر

(۶) غزل یا مرثیہ یا مثنوی یا ناول کا خصوصی مطالعہ

(۷) اردو ادب کی تاریخ اور اس کا سماجی اور تہذیبی پس منظر

(۷) مشرقی اور مغربی اصول تنقید، عملی تنقید

(۸) انگریزی ادب کے شاہکاروں کا مطالعہ، سنسکرت ادب کے شاہکاروں کا مطالعہ، فارسی ادب کے شاہکاروں کا مطالعہ

یا

جدید ہندی ادب کا مطالعہ، بھارتیندو ہریش چندر سے سمترانندن پنت تک۔

(۹) فلسفہ کے اہم دبستانوں کا مطالعہ۔

یا

فنون لطیفہ کے مبادیات

یا

ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا مطالعہ

یہاں بھی ہمیں نو پرچوں کے نو سو نمبروں کے علاوہ تین سو نمبر اور رکھنے ہوں گے جن میں سے سو سو نمبر ہر سال کے تحریری کام پر دیے جائیں گے اور سو نمبر ایک ایسے زبانی امتحان کے لیے ہوں گے جس میں طلبہ کے تحریری کام کا پورا ریکارڈ سامنے رہے گا اور ہر طالب علم کا زبانی امتحان کم سے کم ایک گھنٹہ کا ہو گا۔ تاکہ متنوع سوالات کے ذریعے طالب علم کی ادبی معلومات، اس کی تنقیدی صلاحیت اور اس کے ادبی ذوق کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا